© rasailojaraid.com

فلسفۂ نظم قرآن

مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۵ء میں "فلسفۂ نظم قرآن۔ نظر بر نظر" کے عنوان سے مولانا سلطان احمد اصلاحی کا جو مضمون شائع ہوا ہے، اس میں کچھ باتیں وضاحت طلب اور کچھ تصحیح طلب نظر آئیں۔ اسی پس منظر میں یہ چند سطریں سپرد قلم کی جارہی ہیں۔ امید ہے قارئین کے لیے یہ افادیت کی حامل ہوں گی۔

امام شوکانی اور نظم قرآن

مذکورہ مضمون میں فاضل مضمون نگار فرماتے ہیں:

"اس تبصرے کی سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ اس میں مفسرین کے اس طبقے سے سرے سے تعرض نہیں کیا گیا ہے جو نہ صرف یہ کہ کتاب اللہ میں کسی قسم کے نظم وارتباط کا قائل نہیں، بلکہ اس کا شدید ترین مخالف ہے جس میں عزالدین بن عبدالسلام اور قاضی شوکانی کے رتبے کی شخصیتیں شامل ہیں۔" ص ۱۰۲۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ قاضی شوکانی اور قاضی عزالدین بن عبدالسلام کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ کتاب اللہ میں کسی قسم کے نظم وارتباط کے قائل نہیں، بلکہ اس کے شدید ترین مخالف ہیں۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے، جس کی تردید کے لیے خود ان بزرگوں کی تحریریں کافی ہیں چنانچہ ہم بالترتیب ان دونوں بزرگوں کی تحریروں کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں۔ جن سے بات خودبخود واضح ہو جائے گی۔

قاضی شوکانیؒ اپنی تفسیر فتح القدیر میں سورہ مائدہ کی آیت: "واتل علیہم نبأ ابنی آدم بالحق إذ قربا قربانا الخ" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلی مثال:

"وجہ اتصال ھٰذا بما قبلہ التنبیہ من اللہ علی ان ظلم الیہود ونقضھم المواثیق و العھود ھو کظلم ابن آدم لأخیہ۔ فالداء قدیم والشر أصیل" (فتح القدیر ۲/۳۰)

(ماقبل آیات سے اس آیت کا ربط یہ ہے کہ یہود جو ظلم کر رہے ہیں اور اپنے عہد و میثاق کی جو خلاف ورزی کر رہے ہیں، اس کی نوعیت بالکل وہی ہے، جو ابن آدم کے ظلم کی تھی، جو اس نے اپنے بھائی پر کیا تھا۔ گویا یہ بیماری پرانی ہے، اور اس برائی کی جڑیں بہت گہری ہیں۔

دوسری مثال:

اسی طرح قاضی موصوف سورۂ مائدہ کی ہی ایک دوسری آیت: "والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما الخ" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لما ذکر اللہ سبحانہ حکم من یأخذ المال جھاراً وھو المحارب عقبہ بذکر من یأخذ المال خفیۃ وھو السارق" (فتح القدیر: ۲/۳۹)

(جب اللہ تعالیٰ اس کا حکم بیان کر چکا جو دن دھاڑے مال لوٹ لیتا ہے، اور وہ ہے محارب، تو اس کے بعد اس کا حکم بیان فرمایا جو چپکے سے مال لے لیتا ہے، اور وہ ہے سارق)

تیسری مثال:

اسی طرح سورۂ آل عمران کی آیت: "إن اللہ اصطفیٰ آدم ونوحاً وآل ابراھیم وآل عمران علی العلمین" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: لما فرغ اللہ سبحانہ من بیان أن الدین المرضی ھو الاسلام وأن محمداً صلی اللہ علیہ وسلم ھو الرسول الذی لایصح لأحد أن یحب اللہ الا باتباعہ، وأن اختلاف اھل الکتابین فیہ إنما ھو بمجرد البغی علیہ والحسد لہ شرع فی تقریر رسالۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ وبیّن انہ من اھل بیت النبوۃ ومعدن الرسالۃ (فتح القدیر: ۱/۳۳۲)

(جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ پسندیدہ دین اسلام ہی ہے، اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ رسول ہیں جن کی اتباع کے بعد ہی اللہ سے محبت کا اعتبار ہوسکتا ہے، اور یہ کہ اہل تورات و انجیل کا آپؐ کے سلسلے میں اختلاف محض سرکشی اور حسد کا نتیجہ ہے، جب ان ساری باتوں کی وضاحت ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اثبات کا مضمون شروع ہوگیا، اور یہ بات بیان کی گئی کہ آپ سلسلۂ رسالت کی ہی ایک کڑی اور خانوادۂ نبوت کے ہی ایک فرد ہیں۔)

چوتھی مثال:

سورۂ آل عمران کی ہی آیت: "قل یااھل الکتاب تعالوا إلی کلمۃ سواء بیننا وبینکم" الخ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قیل الخطاب لأھل نجران بدلیل ماتقدم قبل ھٰذہ الآیۃ، وقیل لیھود المدینۃ وقیل للیھود والنصاریٰ جمیعا، وھو ظاھر النظم القرآنی" (فتح القدیر: ۱/۳۴۸)

(ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا خطاب اہل نجران سے ہے، جس کی بنیاد اس آیت سے پہلے کا مضمون ہے۔ ایک دوسرا قول یہ ہے کہ مدینہ کے یہود سے خطاب ہے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں یہود و نصاریٰ دونوں سے خطاب ہے۔ نظم قرآن سے لگتی ہوئی بات یہی ہے۔)

یہ امام شوکانیؒ کی تفسیر فتح القدیر کے چند اقتباسات ہیں، جو بطور نمونہ پیش کیے گئے۔ ورنہ اس طرح کے اقتباسات کی کمی نہیں۔

کیا ان اقتباسات سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ امام شوکانیؒ نظم قرآن کے منکر یا اس کے شدید ترین مخالف تھے؟

غلط فہمی اور اس کا سبب

مضمون نگار کو اس سلسلے میں جو دھوکا ہوا ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے امام شوکانی کی تفسیر فتح القدیر زیادہ تفصیل کے ساتھ نہیں دیکھی ہے اور اتفاق سے ان کے سامنے امام شوکانی کی وہ تحریر آگئی جس سے ایک عام قاری کو یہ غلط فہمی ہوجاتی ہے کہ امام موصوف نظریۂ نظم قرآن کے سخت مخالف تھے۔

حالانکہ اس تحریر میں انھوں نے بنیادی طور سے تصور نظم قرآن کی نفی نہیں کی ہے، بلکہ اس سلسلے میں جن لوگوں نے تکلف سے کام لیا ہے اور بے جا کھینچا تانی کی ہے، اس پر اظہار ناگواری کیا ہے۔

چنانچہ اس تحریر میں انھوں نے خاص طور سے امام برہان الدین بقاعیؒ کا نام بھی لیا ہے اور ان کے طریق تفسیر کی مذمت کی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر فتح القدیر: ۱/۷۲-۷۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارا بھی یہ احساس ہے کہ امام شوکانی اپنی اس تنقید میں بہت حد تک حق بجانب ہیں. اس لیے کہ امام بقاعیؒ نے اپنی تفسیر "نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور" میں بے شمار مقامات پر تکلف اور تعسف کی حد کر دی ہے۔ ان مقامات پر ہم جیسے شیدائیان نظم قرآن کا بھی پیمانۂ ضبط چھلکنے لگتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ امام بقاعیؒ شاہ راہ سے اس قدر دور کیسے نکل گئے! اب اگر کوئی شخص امام شوکانی کی محض اس ایک تحریر کو ان کا نقطۂ نظر سمجھنے کے لیے کافی سمجھتا ہے تو یقیناً وہ اس غلط فہمی کا شکار رہو گا جس کا شکار ہمارے فاضل مضمون نگار ہوئے ہیں۔ لیکن تفسیر کے بقیہ اجزا کے مطالعہ کے بعد یہ غلط فہمی باقی نہیں رہ سکتی اور معاملے کی حقیقت کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

قاضی عزالدین اور نظم قرآن

رہے قاضی عزالدینؒ بن عبدالسلام تو ان کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے۔ قاضی موصوف اس بات کو بالکل صاف صاف تسلیم کرتے ہیں کہ علم نظم یا علم مناسبات بہت ہی عمدہ علم ہے وہ فرماتے ہیں:

المناسبة علم حسن ولکن یشترط فی حسن ارتباط الکلام ان یقع فی امر متحد مرتبط اولہ بآخرہ، فان وقع علی اسباب مختلفۃ لم یشترط فیہ ارتباط احدھما بالآخر.

(علم مناسبت ایک بہترین علم ہے۔ لیکن ربط کلام کے بہتر ہونے کے لیے شرط ہے کہ وہ ایسے معاملے میں ہو جس میں وحدت پائی جاتی ہو اور جس کا اول اس کے آخر سے ہم رشتہ ہو۔ لیکن اگر اس معاملے کے اسباب مختلف ہوں، یا وہ کلام مختلف مواقع سے تعلق رکھتا ہو تو اس کلام کے ایک حصے کا دوسرے حصے سے مربوط ہونا ضروری نہیں ہے۔) (البرہان فی علوم القرآن. امام زرکشیؒ: ۱/ ۳۷)

اس عبارت سے اتنی بات تو واضح ہے کہ قاضی عزالدین کو اصولی طور سے اس علم سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان کو اس سلسلے میں جو کچھ تردد یا الجھن ہے۔ جس کا ذکر انھوں نے آگے چل کر کیا ہے۔ وہ بس یہ ہے کہ قرآن پاک جو لگ بھگ ۲۳ سال کے عرصے میں نازل ہوا ہے، اس کے تمام اجزا میں وہ گہرا ربط و تعلق کیونکر ہو سکتا ہے، جو کسی ایک وحی کے اندر ہوا کرتا ہے، لیکن جہاں تک ان سورتوں کا معاملہ ہے جو ایک ہی بار میں یا ایک ہی وحی میں نازل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئی ہیں، چاہے وہ چھوٹی ہوں یا بڑی، ان سورتوں کے اندر ربط و مناسبت کا قاضی موصوف انکار نہیں کرتے۔

مثال کے طور پر سورۂ انعام ہے، جو خاصی لمبی سورہ ہے، ایک سو پینسٹھ ۱۶۵ آیات پر مشتمل ہے، اور جس کے بارے میں تقریباً یہ اتفاق ہے کہ وہ پوری یکبارگی نازل ہوئی ہے، اس کے سلسلے میں قاضی صاحب کو کوئی اختلاف نہ ہوگا، اگر یہ کہا جائے کہ اس سورہ کی تمام آیات میں بہت ہی گہرا ربط اور بہت ہی حکیمانہ نظم پایا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ قاضی عزالدینؒ نظم قرآن کے نہ منکر ہیں نہ مخالف، البتہ نظم و مناسبت کا وہ وسیع تصور ان کے ہاں نہیں ملتا جو ترجمان القرآن علامہ حمیدالدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ اور کچھ دوسرے بزرگ اسلاف کے ہاں ملتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام شوکانی ہوں یا قاضی عزالدین، دونوں ہی نظریۂ نظم قرآن کے مخالف نہیں ہیں، بلکہ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اس معاملے میں بے جا تکلف سے کام نہ لیا جائے اور بالکل فطری انداز سے قرآن پاک سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

اس کے بعد ہم مزید یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام شوکانیؒ، قاضی عزالدینؒ اور امام حمیدالدین فراہیؒ کے درمیان کوئی اصولی اختلاف نہیں ہے۔ جو کچھ فرق ہے وہ بس یہ کہ ان بزرگوں کے ہاں نظم قرآن کا وہ وسیع تر تصور نہیں ملتا جو امام فراہیؒ کے ہاں ملتا ہے

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا

اسی مضمون میں فاضل مضمون نگار رقم طراز ہیں:

"تبصرہ نگار کی یہ دوسری غلط فہمی ہے کہ "ونسوا حظا مما ذکروا الخ" سے مراد تورات و انجیل کا باہمی در و بست، اور ایک آیت سے دوسری آیت کے ارتباط کا غیر مرئی خلا ہے، جسے پر کرنے کی ذہنی کاوش کا سلسلہ تاقیامت جاری رہ سکتا ہے۔"

مولانا سلطان احمد اصلاحی کی یہ تحریر پڑھ کر بے اختیار حضرت نیاز فتحپوری ہمیں یاد آ گئے۔

سنتے ہیں حضرت نیاز فتحپوری کے ہاں ایک بار کسی نے حضرت جگر مرادآبادی کا کلام برائے تبصرہ بھیج دیا۔ حضرت نیاز نے موقع غنیمت جانا اور الفاظ و اسلوب کی وہ وہ غلطیاں کلام جگر میں نکال ڈالیں جن کا کلام جگر سے کوئی تعلق نہ تھا یعنی وہ الفاظ و اسالیب جگر صاحب نے استعمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی نہیں کیے تھے!

بالکل یہی معاملہ جناب سلطان احمد صاحب اصلاحی کا اس عاجز کے سلسلے میں ہے۔ پہلے تو ایک غلط فہمی کا چرچا کیا ہے اور پھر لگ بھگ دو صفحے اس رائے کو باطل قرار دینے کے لیے سیاہ کیے ہیں۔

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ نہ راقم الحروف یہ رائے رکھتا ہے، نہ ترجمان القرآن علامہ حمید الدین فراہی کی یہ رائے ہے اور نہ ہم نے اپنے تبصرے میں اس رائے کا کہیں اظہار کیا ہے۔

ہمیں حیرت ہے کہ فاضل مضمون نگار نے بلا وجہ یہ عرق ریزی کیوں کی؟!

اسی طرح کی کچھ اور باتیں بھی اس مضمون میں آگئی ہیں، جو ہم نے کہی ہی نہیں ہیں اور نہ ہماری تحریر میں ان کا کوئی اشارہ پایا جاتا ہے، لیکن پہلے تو وہ باتیں ہماری طرف منسوب کی گئی ہیں۔ پھر ان کی تردید و تغلیط کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر وہ فرماتے ہیں:

"لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ جادۂ حق پر مستقیم یہ طبقہ لازماً قائلین نظم قرآن ہی کا ہوگا۔ غیر قائلین نظم قرآن کا اس میں داخلہ نہ ہو سکے گا" صـ ۱۰۵

کوئی موصوف سے پوچھے کہ یہ بات ہم نے کب کہی ہے؟ اور کہاں کہی ہے؟ کہ اس کی تردید کی ضرورت پیش آگئی۔

چربہ ہونے پر اصرار

اسی مضمون میں فاضل مضمون نگار فرماتے ہیں:

"حقیقت رجم" کس کا چربہ ہے؟ حقیقت رجم مولانا فراہی اور ان کے بالواسطہ اور بلا واسطہ شاگردان کرام سے استفادے کا چربہ ہے۔" صـ ۱۰۸

پچھلے مضمون میں بھی فاضل مضمون نگار نے یہ انکشاف کیا تھا کہ راقم الحروف کی عربی تصنیف "البرہان فی نظام القرآن" شیخ ابو جعفر اندلسی کی کتاب "البرہان فی ترتیب سور القرآن" کا چربہ ہے۔

اس پر راقم الحروف کی طرف سے یہ وضاحت شائع ہوئی تھی کہ شیخ ابو جعفر اندلسی کی البرہان میں سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران سے متعلق جو کچھ ہے وہ ساڑھے پانچ صفحات سے زائد نہیں، جبکہ راقم الحروف کی "البرہان فی نظام القرآن" میں ان تینوں سورتوں پر جو کچھ لکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا ہے، وہ بڑی تقطیع کے چھ سو تیس ۶۳۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ لہٰذا یہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ کتاب اس کتاب کا چربہ ہو؟

اس وضاحت کے باوجود فاضل مضمون نگار کا اصرار ہے کہ نہیں، یہ کتاب اسی کتاب کا چربہ ہے۔ ابو جعفر بن زبیر کی کتاب کے ساڑھے پانچ صفحات کو چھ سو تیس صفحات میں پھیلا دینا کچھ مشکل نہیں۔

وہ اپنے اس دعوے کی دلیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ ان کے قابل احترام استاد اور اتالیق مولانا محمد ایوب اصلاحی استاذ قرآن وادب مدرسۃ الاصلاح کا یہ تبصرہ ہے۔

اس تفصیل سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ فاضل مضمون نگار کو چربہ کے معنی ومفہوم سے واقفیت نہیں ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس لفظ کے سلسلے میں اہل لغت کی تصریحات درج کر دی جائیں۔

چربہ کے معنی

لغات کشوری میں اس لفظ کے سلسلے میں درج ذیل وضاحت ملتی ہے:

چربہ: کاغذ چکنا اور باریک یا ہرن وغیرہ کی جھلی کہ نقاش تصویر یا کسی نقش پر رکھ کر موقلم سے اس تصویر وغیرہ کا عکس نقل اتار لیتے ہیں۔

فرہنگ آصفیہ میں درج ذیل وضاحت ملتی ہے۔

چربہ اتارنا: ہوبہو نقل اتارنا، کسی نقش یا تصویر پہ باریک کاغذ رکھ کر اس کی ہوبہو نقل کرنا، خاکا اٹھانا۔

فیروز اللغات میں یہ وضاحت ملتی ہے:

چربہ: کاغذ یا پوست آہو کو چرب کر کے کسی نقش یا تصویر پر رکھ کر اس کی ہوبہو نقل اتارنا، اہل لغت کی ان تصریحات کو دیکھ کر ذہن میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادے کو بھی چربہ کہا جا سکتا ہے؟

نیز کیا ساڑھے چھ سو صفحات ساڑھے پانچ صفحات کا چربہ بن سکتے ہیں؟

اگر نہیں، تو پھر بے چاری اردو زبان کے ساتھ کیسا ستم ہے یہ!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری بات جو بحث و تحقیق کے ابتدائی اصولوں میں سے ہے اور جسے کوئی مضمون نگار نظر انداز نہیں کر سکتا وہ یہ ہے کہ مطبوعہ کتابیں جو ہر جگہ دست یاب ہوں، ان کے سلسلے میں کسی صاحبِ خانہ کی شہادت کی کوئی حیثیت نہیں ہوا کرتی۔

شہادت ہمیشہ کسی غائب یا غیر موجود چیز کی ہوا کرتی ہے۔ جو چیز سامنے موجود ہو اس کو خود دیکھا اور پرکھا جاتا ہے۔ اس کے سلسلے میں کوئی شہادت نہیں پیش کی جاتی ہے۔

اور خاص طور سے صاحبِ خانہ کی شہادت تو اس وقت پیش کی جاتی ہے، جب معاملہ اس طرح کا ہو جس طرح کا حضرت یوسفؑ اور امرأۃ العزیز کا تھا۔ اس طرح کا کوئی معاملہ ہو تو اس وقت کہا جاتا ہے کہ شہد شاھد من أھلھا الخ۔

اللہ کا شکر ہے شیخ ابوجعفر اندلسی کی "البرہان فی ترتیب سور القرآن" بھی چھپ چکی ہے، اور خاکسار کی "البرہان فی نظام القرآن" بھی۔ لہٰذا اب معاملہ سننے سنانے کا نہیں رہا، اب تو مرحلہ ہے خود جانچنے اور پرکھنے کا۔

اب فاضل مضمون نگار کو چاہیے کہ وہ خود دونوں کتابیں دیکھیں اور پھر اپنا فیصلہ دیں کہ ان دونوں میں سے کون سی کتاب کس کتاب کا چربہ ہے؟

مولانا ایوب اصلاحی کی تردید

جہاں تک ان کے استاد اور اتالیق مولانا محمد ایوب صاحب اصلاحی کا معاملہ ہے، تو ہم نے اس سلسلے میں ان سے بھی رابطہ قائم کیا اور ان کے داماد مولانا ابوسفیان صاحب اصلاحی جامعی کو، جو ہمارے ہاں جامعۃ الفلاح میں استاد ہیں، خاص اسی مقصد سے ان کے پاس بھیجا کہ وہ مولانا سے فاضل مضمون نگار کے اس بیان کی تصدیق حاصل کریں۔

مولانا ابوسفیان صاحب اصلاحی جامعی نے واپس آکر اس سلسلے میں جو رپورٹ دی وہ یہ تھی:

"محترم مولانا ایوب صاحب اس بیان کی شدت سے تردید کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نہ یہ کتاب پڑھی ہے نہ دوسری کتاب پڑھی ہے۔ پھر میں اس طرح کا غیر ذمہ دارانہ بیان کیونکر دے سکتا ہوں؟!"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرضی نہیں، اعزازی

اسی مضمون میں فاضل مضمون نگار مزید فرماتے ہیں:

"یوں بھی جامعۃ الرشاد کی فرضی ڈگری کے نتیجے میں تیار ہونے والی اس ریسرچ تھیسس کے مطالعہ کے لیے حد درجہ کراہیت کے ساتھ ہی یہ گنہ گار اپنے کو آمادہ کرسکتا ہے"۔ ص ۱۰۸

یہ جامعۃ الرشاد کی فرضی ڈگری کیا ہے؟

اس عبارت سے قارئین کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہم نے جامعۃ الرشاد کی کوئی جعلی ڈگری تیار کی یا کرائی تھی۔ یا یہ کہ ہم نے جامعۃ الرشاد کی ڈگری پیسوں سے خریدی تھی!

ایسی صورت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ اس معاملے کی بھی اصل حقیقت واضح کر دی جائے۔

ایک وقت تھا کہ ناظم جامعۃ الرشاد مولانا مجیب اللہ ندوی سے ہمارے نہایت مخلصانہ قلبی روابط تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ نہ بابری مسجد کے سلسلے میں ہمارے مضامین شائع ہوئے تھے، نہ ہماری علمی کاوش "حقیقتِ رجم" شائع ہوئی تھی۔

یہی دونوں چیزیں ہیں جنھوں نے مولانا موصوف کو ہم سے نہایت درجہ برہم کر دیا اور وہ مختلف انداز سے اپنے غم و غصہ کا اظہار کرنے لگے۔ کیونکہ ان دونوں ہی امور میں ہمارے اور ان کے نقطۂ نظر میں اختلاف تھا۔

ورنہ اس سے پہلے صورت یہ تھی کہ مولانا کا ہمیں جس قدر اعتماد حاصل تھا، بہت ہی کم لوگوں کو حاصل رہا ہوگا۔ جامعۃ الرشاد کا کوئی معاملہ نہ ہوتا تھا، جس میں مولانا ہم سے مشورہ نہ کرتے رہے ہوں اور مولانا برابر اس خواہش کا اظہار فرماتے تھے کہ تم جامعۃ الفلاح سے ہمارے ہاں منتقل ہو جاؤ تو ہمیں بڑی سہولت ہو جائے گی۔

اسی زمانہ میں مولانا نے اپنے تعلق خاطر کے نتیجہ میں ہمیں جامعۃ الرشاد کی اعزازی سند بھی دی تھی بالکل اسی طرح جس طرح سرینگر یونیورسٹی نے چند سال پہلے مولانا علی میاں صاحب کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعزازی ڈگری دی تھی اور جس طرح تمام بڑے لوگوں کو یونیورسٹیاں اعزازی ڈگریاں دیا کرتی ہیں۔

اب اس کا کیا علاج کہ ہمارے فاضل مضمون نگار نے اسی اعزازی سند کو فرضی ڈگری کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنی چاہی ہے۔ اس طرح سے اگر ان کے دل کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے، تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن اس قدر عرض کرنے کا ضرور جی چاہتا ہے کہ یہ طریقہ اصحاب علم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے شایان شان نہیں ہے۔

یہ چند خاص خاص باتیں ہیں جو مذکورہ مضمون کے تعلق سے عرض کرنی ضروری معلوم ہوئیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی باتیں تھیں، جن پر اظہار خیال کی ضرورت تھی، لیکن اس وقت ان سے صرف نظر کرنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کی صحیح بصیرت عطا فرمائے اور حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھنے کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین یارب العلمین۔

تصنیفی تربیت کے لیے وظائف

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ کا ایک شعبہ تصنیفی تربیت کا ہے۔ اس کے تحت دینی مدرسوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے فارغ طلبہ کو ان کے حسب ضرورت عربی یا انگریزی کی تعلیم کے ساتھ تصنیف و تالیف اور ترجمہ کی دو سالہ تربیت دی جاتی ہے۔ منتخب ہونے والے افراد کو ادارہ کی نئی اور کشادہ عمارت میں قیام کی سہولت کے ساتھ ایک ہزار روپے ماہانہ وظیفہ بھی دیا جائے گا۔

درخواست دہندہ کا کسی معروف عربی مدرسہ سے فضیلت یا اس کے مساوی سند کا حامل ہونا ضروری ہے۔ ساتھ ہی ہائی اسکول کے معیار کی انگریزی کی صلاحیت بھی لازمی ہے۔ عربی نہ جاننے کی صورت میں ایم اے ہونا ضروری ہے۔ بی اے پاس شدہ افراد بھی درخواست دے سکتے ہیں بشرطیکہ عربی کی اچھی استعداد رکھتے ہوں۔

تحریک اسلامی سے متعلق یا کسی معروف شخصیت کی تصدیق کے ساتھ حسب ذیل معلومات فراہم کی جائیں (۱) نام (۲) عمر (۴۲ سال سے زیادہ نہ ہو) (۳) پورا پتہ (۴) تعلیمی استعداد (اسناد اور مارکس شیٹ کی نقول کے ساتھ) (۵) کورس کے علاوہ مطالعہ کی تفصیل (۶) مطبوعہ یا غیر مطبوعہ مضامین کی نقل۔ (۷) ان موضوعات کی تفصیل جن سے درخواست دہندہ کو خصوصی دلچسپی ہو۔

انتخاب انٹرویو کے بعد ہوگا۔ جن افراد کو انٹرویو کے لیے بلایا جائے گا انھیں ایک طرف کا کرایہ سکنڈ کلاس مع سلیپر چارجز کے دیا جائے گا۔ (اس اشتہار کی اشاعت کے ایک ماہ کے اندر درخواست بھیج دی جائے)

سکریٹری ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ

© rasailojaraid.com